ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue I, (Jan to March 2023)

ماخذ تحقیقی مجلہ

حفصہ الطاف
ریسرچ سکالر ہزارہ یونیورسٹی ۔
ڈاکٹر الطاف یوسف زئی
ایسوسی ایٹ پروفیسر ہزارہ یونیورسٹی۔
ڈاکٹر رابعہ شاہ
لیکچرر ہزارہ یونیورسٹی۔

مختار مسعود کی تصنیف "حرفِ شوق" میں فلیش بیک تکنیک کا فنی و اسلوبیاتی مطالعہ

Haafsa Altaf
Research Scholar, Hazara University.
Dr.Altaf Yousafzai
Associate Professor, Hazara University.
Dr. Rabia Shah
Lecturer, Hazara University.

A Critical Study of the Artistic and Stylistic Dimensions of the Flashback Technique in Mukhtar Masood's Harf-e-Shauq

This article critically examines the artistic and stylistic use of the flashback technique in Mukhtar Masood's Harf-e-Shauq. It explores how the writer skillfully connects personal memories with historical events, cultural heritage, and national consciousness through non-linear narration. The study highlights that flashback is not merely a narrative device but a structural and intellectual element that enriches the text with historical depth and emotional intensity. By analyzing selected episodes, characters, and places, the article demonstrates how Mukhtar Masood transforms individual experiences into collective memory. The research concludes that the flashback technique significantly enhances the literary, cultural, and aesthetic value of Harf-e-Shauq.

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue I, (Jan to March 2023)

Key Words: *Mukhtar Masood; Harf-e-Shauq; Flashback Technique; Urdu Prose; Narrative Technique; Cultural Consciousness; Historical Memory.*

اردو نثر کی جدید روایت میں بعض ایسے ادیب نمایاں حیثیت رکھتے ہیں جنہوں نے محض واقعات کے بیان پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان واقعات کو فن، فکر اور اسلوب کے امتزاج سے ایک نئی معنویت عطا کی۔ ان ادیبوں میں مختار مسعود کا نام نہایت وقار کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ ان کی تحریروں کا بنیادی وصف یہ ہے کہ وہ وقت کو محض ایک زمانی ترتیب کے طور پر نہیں دیکھتے بلکہ اسے انسانی شعور، تہذیبی حافظے اور اجتماعی تجربے کے آئینے میں پیش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی ہر تصنیف میں ماضی، حال اور مستقبل ایک دوسرے سے اس طرح مربوط نظر آتے ہیں کہ قاری محض واقعات نہیں پڑھتا بلکہ تاریخ اور تہذیب کو ایک زندہ تجربے کے طور پر محسوس کرتا ہے۔

مختار مسعود کی آخری تصنیف "**حرفِ شوق** ان کی یادداشتوں، مشاہدات اور تہذیبی شعور کا نچوڑ ہے۔ اس کتاب میں علی گڑھ، سرسید احمد خان، مسلم یونیورسٹی، اسٹریچی ہال، تحریکِ پاکستان اور برصغیر کی فکری تاریخ کو اس انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ ہر واقعہ دوسرے واقعے سے معنوی رشتہ قائم کرتا ہے۔ یہی ربط اس تصنیف کو محض یادداشتوں کا مجموعہ نہیں رہنے دیتا بلکہ اسے ایک فکری اور ادبی دستاویز بنا دیتا ہے۔ اس کتاب کی سب سے نمایاں فنی خصوصیت **فلیش بیک** کی تکنیک ہے، جس کے ذریعے مصنف حال کے کسی منظر یا واقعے سے ماضی کی کسی یاد، شخصیت یا تاریخی حقیقت کی طرف سفر کرتا ہے اور پھر دوبارہ حال میں لوٹ آتا ہے۔ اس تکنیک کی بدولت پوری کتاب میں زمانی وحدت کے بجائے شعوری وحدت قائم رہتی ہے۔ جب کوئی ادیب حال کے کسی لمحے کو ماضی کے کسی تجربے سے جوڑتا ہے تو قاری کو نہ صرف واقعے کی تاریخی بنیاد معلوم ہوتی ہے بلکہ اس کے تہذیبی اور نفسیاتی پہلو بھی نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اسی لیے جدید بیانیہ ادب میں فلیش بیک کو نہایت مؤثر فنی تکنیک تصور کیا جاتا ہے۔

مختار مسعود کے ہاں فلیش بیک محض فنی آرائش نہیں بلکہ فکر کی بنیادی ساخت ہے۔ ان کے نزدیک ماضی کوئی مردہ زمانہ نہیں بلکہ ایک زندہ حقیقت ہے جو ہر لمحہ حال میں سانس لیتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ جب وہ اسٹریچی ہال کا ذکر کرتے ہیں تو گفتگو صرف ایک عمارت تک محدود نہیں رہتی بلکہ سرسید احمد خان، تحریکِ علی گڑھ، مسلم تعلیمی بیداری، تحریکِ پاکستان اور برصغیر کی تہذیبی تاریخ تک پھیل جاتی ہے۔ اسی طرح علی گڑھ کا ایک معمولی منظر بھی انہیں اپنے بچپن، اساتذہ، ہم جماعتوں اور قومی تاریخ کی طرف لے جاتا ہے۔ ان کے نزدیک ہر جگہ ایک یاد ہے، ہر یاد ایک تاریخ ہے اور ہر تاریخ ایک فکری پیغام رکھتی ہے۔ یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ مختار مسعود کے ہاں فلیش بیک کا استعمال نہایت فطری انداز میں ہوتا ہے۔ وہ قاری کو کسی اچانک زمانی تبدیلی کا احساس نہیں ہونے دیتے بلکہ ایک

خیال، ایک منظر، ایک شخصیت یا ایک لفظ کے ذریعے شعوری طور پر ماضی کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں۔ یہی اسلوب ان کی تحریر میں روانی اور ادبی حسن پیدا کرتا ہے۔ ان کی یادیں منتشر نہیں بلکہ ایک فکری ترتیب رکھتی ہیں، اس لیے ماضی کی ہر جھلک حال کے کسی نہ کسی پہلو کی وضاحت کرتی ہے۔

قدیم داستانوں میں بھی ماضی کے واقعات بیان کیے جاتے تھے، لیکن جدید افسانے، ناول اور خود نوشت میں فلیش بیک ایک باقاعدہ فنی تکنیک کے طور پر سامنے آیا۔ بیسویں صدی کے مغربی ادب میں شعور کی رو اور نفسیاتی ناولوں نے اس تکنیک کو مزید اہمیت دی۔ اردو ادب میں بھی انتظار حسین، قرۃ العین حیدر، ممتاز مفتی، اشفاق احمد اور مختار مسعود جیسے ادیبوں نے اسے نہایت مؤثر انداز میں استعمال کیا۔ تاہم مختار مسعود کے ہاں فلیش بیک کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اسے صرف ذاتی یادداشت تک محدود نہیں رکھتے بلکہ اس کے ذریعے پوری تہذیب، تاریخ اور قومی شعور کو ایک لڑی میں پرو دیتے ہیں۔ مختار مسعود کی نثر میں فلیش بیک کے استعمال کی چند نمایاں خصوصیات درج ذیل ہیں۔

- ماضی اور حال کے درمیان فطری ربط قائم کرنا۔
- تاریخی واقعات کو ذاتی تجربات کے ساتھ جوڑنا۔
- کرداروں کی فکری اور تہذیبی تشکیل کو واضح کرنا۔
- یادداشت کو قومی تاریخ کے ساتھ مربوط کرنا۔
- منظر نگاری اور جذباتی اثر میں اضافہ کرنا۔
- قاری کو زمانی سفر کا حصہ بنا دینا۔
- تہذیبی شعور اور تاریخی آگہی پیدا کرنا۔

یہی اوصاف *حرفِ شوق* کو ایک منفرد یادداشت نگاری کی کتاب بناتے ہیں۔ اس میں مصنف جب علی گڑھ کی گلیوں، اسٹریچی ہال، وکٹوریہ گیٹ یا سر سید احمد خان کا ذکر کرتے ہیں تو بظاہر ایک ذاتی یاد بیان کرتے ہیں، مگر درحقیقت وہ برصغیر کے مسلمانوں کی فکری، تعلیمی اور تہذیبی تاریخ کو نئے زاویے سے قاری کے سامنے رکھتے ہیں۔ اس طرح فلیش بیک ان کی تحریر میں محض بیانیہ تکنیک نہیں رہتا بلکہ پورے متن کی فکری بنیاد بن جاتا ہے

"مختار مسعود کی تصنیف "**حرف شوق**" کا بنیادی امتیاز یہ ہے کہ اس میں یادداشت، تاریخ اور تہذیب ایک دوسرے میں اس طرح مدغم ہو جاتے ہیں کہ قاری کسی ایک زمانے میں مقید نہیں رہتا۔ مصنف موجودہ لمحے سے گفتگو کا آغاز

کرتا ہے لیکن چند سطروں بعد شعوری طور پر ماضی کی ایسی فضاؤں میں داخل ہو جاتا ہے جہاں تاریخی شخصیات، علمی ادارے، ادبی محفلیں اور قومی تحریکیں ایک زندہ منظر کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ یہی رجعتِ زمانی یا **فلیش بیک** اس کتاب کا بنیادی فنی سرمایہ ہے۔ "حرفِ شوق" میں ماضی کی طرف مراجعت کسی تصنع یا فنی نمائش کا نتیجہ نہیں بلکہ مصنف کے طرزِ احساس کا فطری اظہار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر واقعہ اپنے تاریخی پس منظر اور تہذیبی معنویت کے ساتھ سامنے آتا ہے۔

"حرفِ شوق" کا آغاز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مرکزی دروازے **وکٹوریہ گیٹ** سے ہوتا ہے۔ بظاہر یہ ایک تاریخی عمارت کا ذکر ہے، مگر مختار مسعود اسے محض اینٹ اور پتھر کی تعمیر کے طور پر نہیں دیکھتے بلکہ اسے اپنے پورے تعلیمی، تہذیبی اور فکری سفر کی علامت بنا دیتے ہیں۔ جیسے ہی وہ وکٹوریہ گیٹ کا ذکر کرتے ہیں، ان کے ذہن میں یکے بعد دیگرے علی گڑھ کی علمی روایت، اساتذہ، طلبہ، خواجہ احمد عباس، فلمی دنیا، سر سید کی تحریک اور برصغیر کی فکری تاریخ کے متعدد مناظر ابھرنے لگتے ہیں۔ یہاں فلیش بیک کی تکنیک اس انداز سے استعمال ہوئی ہے کہ ایک معمولی منظر قاری کو کئی دہائیوں پیچھے لے جاتا ہے۔ وکٹوریہ گیٹ حال میں موجود ہے، مگر اس کے ساتھ وابستہ یادیں ماضی کو زندہ کر دیتی ہیں۔ مصنف خواجہ احمد عباس کی آمد کا ذکر کرتے ہوئے نہ صرف ان کی شخصیت کا خاکہ پیش کرتے ہیں بلکہ اس پورے عہد کی فکری اور ادبی فضا کو بھی سامنے لے آتے ہیں۔ اس طرح ایک شخصیت کے ذریعے پورا زمانہ متحرک ہو جاتا ہے۔ اس حوالے سے مختار مسعود یوں رقمطراز ہیں۔:

> "خواجہ صاحب مشہور علیگ تھے۔وہ ایک ہی وقت میں متعدد جہتوں کے مالک تھے۔ سوشلسٹ،وطنیت کے نظریے کے قائل،عینیت پسند ،بہترین مقرر اور اعلیٰ پایہ کے صحافی،ترقی پسند مصنفین کی انجمن کے رکن ،اردو افسانہ نگار۔۔۔وہ علی گڑھ کے مشہور خانوادے کے چشم وچراغ تھے۔(۱)

اس مقام پر مختار مسعود کی فنی مہارت نمایاں ہوتی ہے۔ وہ کسی تاریخی واقعے کو خشک انداز میں بیان نہیں کرتے بلکہ اسے اپنے ذاتی تجربے کے ساتھ اس طرح وابستہ کرتے ہیں کہ قاری خود کو اس ماحول کا حصہ محسوس کرنے لگتا ہے۔ یوں فلیش بیک محض یادوں کا بیان نہیں رہتا بلکہ ایک تہذیبی تجربہ بن جاتا ہے۔ تنقیدی اعتبار سے دیکھا جائے تو وکٹوریہ گیٹ کا تذکرہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ مختار مسعود کے نزدیک مقامات بھی یادداشت رکھتے

ہیں۔ ہر تاریخی عمارت اپنے اندر ایک عہد، ایک تہذیب اور ایک روایت کو محفوظ رکھتی ہے۔ یہی تصور ان کی نثر کو عام خود نوشت سے ممتاز کرتا ہے۔

مختار مسعود نے علی گڑھ یونین کے مباحثوں کا ذکر اس انداز سے کیا ہے کہ قاری محض ایک ادبی تقریب نہیں دیکھتا بلکہ پورے تعلیمی ماحول کو اپنی آنکھوں کے سامنے محسوس کرتا ہے۔ جیسے ہی مصنف اسٹریچی ہال میں ہونے والے مباحثوں کا ذکر کرتے ہیں، بیانیہ حال سے نکل کر ماضی میں داخل ہو جاتا ہے۔ ہال کی رونق، طلبہ کا جوش، مقررین کا اعتماد، سامعین کی داد اور علمی ماحول سب کچھ اس طرح سامنے آتا ہے جیسے کوئی منظر فلم کی صورت میں چل رہا ہو۔ مصنف اپنی تحریر میں مباحثوں کا ذکر کرتے ہوئے کچھ یوں رقم طراز ہیں:

> ""مسلم یونیورسٹی کے طلبہ اسٹریچی ہال میں منعقد ہونے والے سالانہ آل انڈیا انگریزی اور اردو مباحثے کا انتظار بڑے شوق سے کرتے۔ دو ہفتے پہلے ہی الٹی گنتی شروع ہو جاتی اور ایک ہفتہ بعد تک ہر جگہ اسی کا ذکر ہوا کرتا تھا۔ کہنے کو اس تقریب میں پورے برطانوی ہند کے اعلیٰ تعلیمی اداروں کی نمائندگی ہوا کرتی تھی مگر جنگ عظیم کی عدالت سفر کی مشکلات اور فسادات کی تعداد اور تکرار کی وجہ سے میرے دور کے طلبہ ان مباحثوں کو سال بہ سال سکڑتے اور سمٹتے ہی دیکھا۔"(۲)

یہاں فلیش بیک کی سب سے اہم خوبی **منظر نگاری** ہے۔ مصنف ماضی کو صرف بیان نہیں کرتے بلکہ اسے بصری تجربہ بنا دیتے ہیں۔ قاری نہ صرف مباحثے سنتا ہے بلکہ لباس، اندازِ گفتگو، نشست و برخاست اور ماحول کی باریکیوں کو بھی محسوس کرتا ہے۔ احسان الحق، مظہر علی خاں اور دیگر مقررین کے تذکرے کے ذریعے مختار مسعود صرف شخصیات کا تعارف نہیں کراتے بلکہ اس زمانے کے علمی معیار اور فکری روایت کو بھی محفوظ کر دیتے ہیں۔ ہر شخصیت ایک پورے عہد کی نمائندہ بن جاتی ہے۔ اس حصے میں فلیش بیک کا ایک اور پہلو سامنے آتا ہے کہ مصنف یادداشت کو محض ذاتی تجربہ نہیں رہنے دیتے بلکہ اسے اجتماعی تاریخ کا حصہ بنا دیتے ہیں۔ اس لیے علی گڑھ یونین کے مباحثے صرف ان کی ذاتی یاد نہیں بلکہ برصغیر کی علمی روایت کی علامت بن جاتے ہیں۔

> " کل ہند اردو مباحثہ ہو رہا تھا۔ لاہور سے آنے احسان الحق کا نام پکارا گیا۔ وہ بڑی سج دھج کے ساتھ ڈائس پر پہنچا۔ میانہ قد، صحت مند جسم کھلتا ہوا رنگ، مگن اور مطمئن چہرہ۔ عام طور پر

دوسرے شہروں سے آنے والے مقرر سوٹ پہن کر آتے تھے۔احسان نے شیر وانی پہن رکھی تھی۔"(۳)

"حرفِ شوق" میں ایک مقام پر مختار مسعود اچانک ہندو سماج کے طبقاتی نظام، ڈاکٹر بی آر امبید کر اور اچھوت تحریک کا ذکر شروع کر دیتے ہیں۔پہلی نظر میں محسوس ہوتا ہے کہ یہ موضوع علی گڑھ سے مختلف ہے، لیکن غور کیا جائے تو یہی فلیش بیک کی اصل خوبی ہے۔مصنف اسٹریچی ہال کی یادوں میں سفر کرتے ہوئے امبید کر کی تقریر کو یاد کرتے ہیں اور وہاں سے ہندو سماج کی صدیوں پر محیط سماجی تاریخ تک پہنچ جاتے ہیں۔اس طرح ایک تقریر پوری تہذیبی تاریخ کا دروازہ بن جاتی ہے۔اس تحریر میں مصنف ہندوؤں کے لیڈروں کے متعلق کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

"مدراس کے اچھوت لیڈر اور امبید کر کے سیاسی ہم سفر ایم-سی راجہ نے مرنے بڑے کی وجہ سے گاندھی جی کی حالت خراب ہوتے ہوئے دیکھی تو امبید کر کو سمجھایا۔ہزار ہا سال سے ہمیں اچھوت سمجھا جارہا ہے۔ہمیں پاؤں تلے روندا جارہا ہے، خواری ہمارا مقدر ہے، ہم سے نفرت کی جاتی ہے، مہاتما نے ہماری خاطر جان کی بازی لگائی۔اگر اس میں برت کی وجہ سے ان کا دیہات ہو گیا تو شوہروں کی کم بختی آجائے گی۔اس صورت حال میں میں آپ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔میں آپ کا ساتھ چھوڑ رہا ہوں اور کانفرنس میں شمولیت کے لئے جا رہا ہوں۔امبید کر خاموش ہو گئے، جی چھوڑ گئے، بازی ہار گئے۔گاندھی جی نے جہاں کہا وہاں دستخط کر دیے۔یہ دستاویز پوٹا پیکٹ کہلاتی ہے۔"(۴)

مصنف امبید کر کی یادوں میں خود کو گم پاتا ہے۔اور لکھتا ہے:

"ادھر میں نے اسٹریچی ہال کی داستان سنانے کا ارادہ باندھا، ادھر یادوں کے بے شمار چراغ جل اٹھے۔ایک چراغ کی روشنی میں بی-آر امبید کر کا چہرہ نظر آیا۔یوں لگا جیسے وہ میرے کان میں کچھ کہہ رہے ہیں۔میرے بارے میں کچھ لکھنا یا نہ لکھنا مگر میں نے تمہیں لڑکپن میں شرف انسانیت سے محروم جس گروہ سے متعارف کروایا تھا اس کے بارے میں ضرور لکھنا"(۵)

یہاں مختار مسعود تاریخ کو محض بیان نہیں کرتے بلکہ اس کے سماجی نتائج پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ اچھوت طبقے کی محرومی، مذہبی امتیاز، معاشرتی ناانصافیاں اور بدھ مت اختیار کرنے کی تحریک سب کچھ ایک مربوط تاریخی سلسلے میں سامنے آتا ہے۔ یہ فلیش بیک اس لیے اہم ہے کہ اس میں مصنف اپنی ذات سے نکل کر پورے برصغیر کی سماجی تاریخ کو موضوع بناتے ہیں۔ ان کے نزدیک ماضی کا مطالعہ صرف یادوں کی بازیافت نہیں بلکہ حال کے سماجی مسائل کو سمجھنے کا ذریعہ بھی ہے۔ تنقیدی لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس مقام پر فلیش بیک تاریخی شعور پیدا کرنے کا مؤثر وسیلہ بن جاتا ہے۔ مختار مسعود ثابت کرتے ہیں کہ ادب صرف جذبات کی ترجمانی نہیں بلکہ معاشرتی آگہی کا بھی اہم ذریعہ ہے۔

مختار مسعود کی تصنیف "حرفِ شوق" میں علی گڑھ صرف ایک شہر نہیں بلکہ ایک تہذیب، ایک فکر اور ایک تعلیمی روایت کا استعارہ ہے۔ علی گڑھ کی گلیوں، سڑکوں، عمارتوں اور گھروں کا ذکر کرتے ہیں تو وہ اپنے بچپن، لڑکپن اور طالب علمی کے دور میں واپس چلے جاتے ہیں۔ یہ رجعت زمانی نہایت فطری انداز میں وقوع پذیر ہوتی ہے۔ مصنف کسی مصنوعی تمہید کے بغیر ایک منظر سے دوسرے منظر اور ایک زمانے سے دوسرے زمانے میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ ان کی یادداشتیں منتشر نہیں بلکہ ایک منطقی ربط رکھتی ہیں۔ تار والے بنگلے، منٹو سرکل، ظہور وارڈ، مولوی زین العابدین کا گھر اور بچپن کے ساتھی سب مل کر ایک ایسا ماحول تشکیل دیتے ہیں جو قاری کے ذہن میں مکمل تصویری کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔

> "یہ اس وقت کی بات ہے جب مسلم یونیورسٹی کی سڑکوں کا نام و نشان نہیں تھا۔۔۔ بیسویں صدی میں جنم لینے والی دوسری نسل کے بچے ان ہی کھنڈروں میں جوان ہوئے۔ میں اس گروہ میں شامل تھا"۔ (۷)

مختار مسعود اپنی تحریر کو آگے بڑھاتے ہوئے مولوی زین العابدین کے گھر کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔ تار والے بنگلے کے ساتھ ساتھ مصنف کو زین العابدین کے گھر کی عمارت بھی بہت اچھے سے یاد ہوتی ہے جسے وہ اپنی تحریر میں شامل کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ مصنف لکھتے ہیں:

> "تار والہ بنگلہ سے ملحقہ خاں بہادر مولوی سید زین العابدین کا گھر ہوا کرتا تھا۔ کچی اینٹوں کی عمارت، پھوس کی چھت، رقبہ ایک ایکڑ، آہنی خاردار تاروں کی احاطہ بندی۔ زمینداری

فروخت کر کے جو کچھ ملا تھا وہ پہلے ہی علی گڑھ کالج کو دے چکے تھے۔ سر سید سے دوستی نبھانے کے لیے علی گڑھ میں کالج بنوالیا۔"(۷)

یہاں فلیش بیک صرف ماضی کی بازیافت نہیں بلکہ شخصیت سازی کا ذریعہ بھی ہے۔ مختار مسعود اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ انسان کی فکری تشکیل اس کے ماحول سے وابستہ ہوتی ہے۔ علی گڑھ نے جس طرح ان کی شخصیت کو تشکیل دی، وہ پوری کتاب میں نمایاں نظر آتی ہے۔ تنقیدی اعتبار سے علی گڑھ کا یہ بیان یادداشت نگاری کی بہترین مثال ہے، کیونکہ مصنف ذاتی تجربات کو اجتماعی تہذیبی شعور میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

مختار مسعود کی شخصیت نگاری ان کی نثر کا ایک نمایاں وصف ہے۔ عبدالرحمن صدیقی کا ذکر اس کی بہترین مثال ہے۔ مصنف ایک تقریر کو یاد کرتے ہیں اور اسی یاد کے ذریعے عبدالرحمن صدیقی کی پوری شخصیت قاری کے سامنے آ جاتی ہے۔ وہ صرف ان کی ظاہری شکل یا اندازِ گفتگو بیان نہیں کرتے بلکہ ان کی فکری عظمت، سیاسی بصیرت، علمی وقار اور اخلاقی کردار کو بھی اجاگر کرتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے وہ بار بار ماضی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور مختلف یادوں کو یکجا کر کے ایک مکمل شخصیت تخلیق کرتے ہیں۔ یہاں فلیش بیک کردار نگاری کا مؤثر وسیلہ بن جاتا ہے۔ مصنف مختلف زمانوں کی یادوں کو اس ترتیب سے پیش کرتے ہیں کہ قاری کے ذہن میں عبدالرحمن صدیقی کا ایک زندہ اور متحرک تصور قائم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں۔:

> "وہ معزز، بے ریا تھا، شہرت کی تمنا نہ ہی عروج کا متلاشی، سادگی اور سچائی اس کی پہچان تھی۔ وہ اپنی حیات چند روزہ کو مسلمانانِ برطانوی ہند کے لیے صرف کر گیا تھا۔ لوگ اسے عبدالرحمن صدیقی کے نام سے جانتے تھے۔ بہت وقت قبل اسٹریچی ہال میں اس کی تقریر سنی تھی۔ اس کی تقریر میں جذبات کی گہرائی بھی تو دلائل کے ساتھ طنز بھی۔ برصغیر کے حالات کا بیان ان کا مرغوب موضوع ہوتا تھا۔ وہ اپنی تقریر میں تین قوموں ہندو، مسلمان اور انگریز کا ذکر کرتے البتہ مسلمانوں کا پلڑا بھاری رہتا۔ اس کام میں ان کا جذبہ عروج پر ہوتا تھا"۔ (۸)

مزید یہ کہ رشید احمد صدیقی کی تحریر سے استفادہ کرتے ہوئے مختار مسعود شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو ایک دوسرے سے جوڑتے ہیں۔ اس سے نہ صرف کردار کی جامع تصویر بنتی ہے بلکہ ماضی کے مختلف ادوار بھی ایک دوسرے سے مربوط ہو جاتے ہیں۔

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue I, (Jan to March 2023)
ماخذ تحقیقی مجلہ

مختار مسعود کے لیے سر سید احمد خان محض ایک تاریخی شخصیت نہیں بلکہ ایک مکمل فکری تحریک کا نام ہیں۔حرفِ شوق میں جب بھی سر سید کا ذکر آتا ہے، مصنف صرف ان کی سوانح بیان نہیں کرتے بلکہ ان کے عہد، ان کی جدوجہد، ان کے تعلیمی نظریات اور مسلمانوں کی اصلاحی کوششوں کو ایک مکمل تاریخی پس منظر کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ مختار مسعود سر سید کے بارے میں کچھ یوں بیان کرتے ہیں۔

> "میرا سر سید معمولی آدمی نہیں ہے۔کشادہ ذہن، اصلاح کرنے والا، دردمند، بے تابانی، ان تھک۔ انجمن و نادر اداروں کا بانی، منتظم، مصنف، مترجم، مفکر، مفکر، پرانی عمارات کا قدر کرنے والا، نئی عمارتیں بنانے والا۔۔۔مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سے سیاسی جماعت کا کام لینے والا۔"(۹)

سر سید کے ذکر میں فلیش بیک تکنیک کا استعمال اس انداز سے ہوا ہے کہ مصنف حال میں بیٹھ کر ماضی کے ایک پورے عہد میں داخل ہو جاتے ہیں۔ وہ سر سید کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو بیان کرتے ہوئے انیسویں صدی کے ہندوستان کی تصویر پیش کرتے ہیں، جہاں ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمان سیاسی، سماجی اور تعلیمی بحران کا شکار تھے۔ مختار مسعود کے نزدیک سر سید ایک ایسی شخصیت ہیں جنہوں نے زوال کے دور میں امید کا چراغ روشن کیا۔ اسی لیے وہ سر سید کا ذکر کرتے ہوئے صرف ماضی بیان نہیں کرتے بلکہ اس ماضی سے حال کے لیے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ مختار مسعود سر سید کی خدمات کو سراتے ہوئے یوں لکھتے ہیں۔

> "اس نے اپنا تن من دھن تعلیمِ جدید کی ترقی کے لیے قربان کر دیا۔ان کا ادارہ تیزی کے ساتھ مثالی درس گاہ بنا"۔(۱۰)

سر سید کے بارے میں مختار مسعود کا اندازِ بیان اس بات کا ثبوت ہے کہ فلیش بیک ان کے ہاں محض واقعات کی واپسی نہیں بلکہ فکری تجزیے کا ذریعہ ہے۔ وہ سر سید کے کردار کو ماضی کی حدود میں قید نہیں کرتے بلکہ اسے موجودہ دور کے مسائل سے جوڑ دیتے ہیں۔ یہاں فلیش بیک تکنیک شخصیت نگاری کو مضبوط بناتی ہے۔ مصنف سر سید کے ماضی کے واقعات کو یکجا کر کے ان کی شخصیت کا ایسا نقشہ پیش کرتے ہیں جس میں ان کی فکری عظمت واضح ہو جاتی ہے۔ سر سید کے مخالفین کا ذکر بھی اسی تکنیک کے ذریعے کیا گیا ہے۔ مختار مسعود ان اعتراضات کو بھی سامنے لاتے ہیں جو سر سید کو اپنے دور میں برداشت کرنا پڑے۔ اس سے شخصیت کا ایک متوازن تصور سامنے آتا ہے کہ بڑی شخصیات صرف تعریف کا موضوع نہیں ہوتیں بلکہ انہیں مخالفت اور تنقید کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔یوں فلیش بیک

ISSN (**P**): 2709-9636 | ISSN (**O**): 2709-9644
Volume 4, Issue I, (Jan to March 2023)
ماخذ تحقیقی مجلہ

یہاں تاریخی انصاف کا ذریعہ بن جاتا ہے، کیونکہ مصنف ماضی کے مختلف پہلوؤں کو سامنے لا کر ایک جامع تصویر تشکیل دیتے ہیں۔

مختار مسعود کی زندگی کا ایک بڑا حصہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے وابستہ رہا، اس لیے حرفِ شوق میں مسلم یونیورسٹی ایک مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ مصنف یونیورسٹی کی عمارتوں، اساتذہ، طلبہ اور علمی ماحول کو یاد کرتے ہوئے بار بار ماضی میں سفر کرتے ہیں۔ مسلم یونیورسٹی کا ذکر کرتے ہوئے مختار مسعود کا فلیش بیک ذاتی یادداشت سے شروع ہوتا ہے لیکن جلد ہی اجتماعی تہذیبی تاریخ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ وہ اپنے اساتذہ، ساتھی طلبہ اور علمی شخصیات کا ذکر کرتے ہیں تو دراصل علی گڑھ کی پوری علمی روایت کو محفوظ کر رہے ہوتے ہیں۔ مثلاً اساتذہ کے گھروں، کتابوں سے بھرے کمروں اور علمی ماحول کا ذکر کرتے ہوئے مصنف صرف ایک گھر کی تصویر نہیں بناتے بلکہ اس پورے علمی کلچر کو پیش کرتے ہیں جس نے کئی نسلوں کی ذہنی تربیت کی۔ مصنف نے اپنی تحریر میں مسلم یونیورسٹی کے اساتذہ کے گھروں کے اندرونی اور بیرونی ماحول کو بیان کیا ہے۔اپنے اساتذہ سے اس قدر لگاؤ رکھتے تھے کہ شخصیت کے ساتھ ان کا گھریلو ماحول بھی بیان کر دیا۔مصنف کے انداز بیان سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مصنف ہمیشہ ماضی میں ہی جیتے رہے ہیں اور خود کو کبھی علی گڑھ اور مسلم یونیورسٹی کی یادوں سے الگ نہیں کر پائے۔مصنف اپنے ایک استاذ کے گھر کا ماحول بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "یہ گھر مسلم یونیورسٹی کے ایک استاد کا تھا جس کی شان و شوکت اس میں موجود کتابوں سے تھی۔ گول کمرا دو بڑی الماریوں سے مزین تھا جب کہ چند چھوٹے شیلف دوسرے کمرے میں سجے ہوئے تھے جہاں میز بھی تھا جہاں لکھنے پڑھنے کا شوق رکھنے والے بیٹھتے تھے جب کہ سونے کے لیے پلنگ بھی رکھا گیا تھا۔ میز کے پاس ایک گھومنے والا شیلف بھی تھا۔ بچپن میں ایک بار بھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ میں سے خواہ مخواہ گھمائے بغیر اس کے پاس سے گزر جاؤں۔۔۔۔ پلنگ، تخت کرسی، چاندنی، چوکی، تپائی، طاقچہ، دیوار گیر، کوئی چیز اور کوئی جگہ ایسی نہ تھی جہاں کتاب موجود نہ ہو۔"(۱۱)

یہاں فلیش بیک کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ مصنف ماضی کو رومانوی انداز میں پیش کرنے کے باوجود حقیقت سے دور نہیں جاتے۔ ان کی یادوں میں جذبات بھی ہیں اور تاریخی شعور بھی۔ فلیش بیک تکنیک کردار نگاری

کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ مصنف کسی استاد کا ذکر کرتے ہیں تو ان کی عادات، لباس، گفتگو اور شخصیت کے مختلف پہلو ماضی کی یادوں سے اخذ کرتے ہیں۔ رشید احمد صدیقی کا ذکر اس کی بہترین مثال ہے۔ مختار مسعود نے ان کے مزاح نگار ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی علمی شخصیت، سادگی اور انفرادیت کو بھی نمایاں کیا ہے۔ مختلف یادوں کو ملا کر مصنف ایک مکمل کردار تشکیل دیتے ہیں۔یہی فنی عمل فلیش بیک کو محض یادداشت نہیں رہنے دیتا بلکہ اسے ادبی تخلیق کا درجہ عطا کرتا ہے۔جب رشید احمد صدیقی سے مصنف کی پہلی ملاقات ہوتی ہے اس کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> "رشید صاحب کو میں نے شروع میں جب دیکھا تو بطور مزاح نگار ان کا چرچا مسلم یونیورسٹی سے باہر تک ہو چکا تھا۔ان کو یہ شہرت وقتاً فوقتاً لکھے گئے مضامین کی وجہ سے ملی تھی جو انھوں نے علی گڑھ میگزین سمیت دیگر رسالوں میں لکھے تھے۔میں نے ان کے یہ چرچے دور دراز علاقوں تک پھیلے ہوئے دیکھے۔نامور کی ان فتوحات کا جو اثر رشید صاحب اور ان کے گھر والوں پر ہوا۔اس کا مجھے بھی اندازہ ہے"۔(۱۲)

مزید اگر دیکھا جائے تو حرفِ شوق" میں اگر کسی مقام کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے تو وہ **اسٹریچی ہال** ہے۔یہ ہال پوری کتاب میں ایک عمارت سے بڑھ کر ایک علامت کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ مختار مسعود جب اسٹریچی ہال کا ذکر کرتے ہیں تو ان کا ذہن صرف ایک عمارت تک محدود نہیں رہتا بلکہ سرسید تحریک، مسلم تعلیمی جدوجہد، طلبہ کی سرگرمیوں، سیاسی تقاریر اور تاریخی واقعات تک پھیل جاتا ہے۔اسٹریچی ہال کے حوالے سے فلیش بیک تکنیک اپنی مکمل فنی صورت میں نظر آتی ہے۔ مصنف ہال کی تعمیر سے آغاز کرتے ہیں اور پھر اس سے وابستہ مختلف ادوار، تقریبات اور شخصیات کو یاد کرتے چلے جاتے ہیں۔اسٹریچی ہال کی تعمیر اور اس کی سنگ بنیاد کا واقع مصنف کچھ اس طرح سے بیان کرتے ہیں:

> "ایک دن اسٹریچی ہال کی تعمیر کا فیصلہ ہوا۔دوسرے دن لارڈ لسٹن نے کالج کا سنگ بنیاد رکھا۔ تیسرے دن سر جان اسٹریچی نے اسی جگہ کالج ہال کی بنیاد رکھی۔چوتھے روز تعمیرات کا آغاز ہوا۔پانچ دن ہوئے تو ہال کا افتتاح ہو گیا۔دنیا چھ دن میں بنی تھی۔اسٹریچی ہال جو اپنی نوع کی ایک دنیا ہے،پانچ دن میں بنا تھا۔یہ پانچ دن نومبر ۱۸۷۵ء سے نومبر ۱۸۹۴ء تک پورے انیس آزردہ اور صبر آزما برسوں کا احاطہ کرتا ہے"۔(۱۴)

یہاں مکان اور زمان ایک دوسرے سے جڑ جاتے ہیں۔ اسٹریچی ہال ایک ایسی جگہ بن جاتا ہے جہاں ماضی کے کئی واقعات محفوظ ہیں۔ مختار مسعود کے اسلوب کی یہ خوبی ہے کہ وہ عمارتوں کو بھی کردار بنا دیتے ہیں۔ اسٹریچی ہال ان کی تحریر میں ایک خاموش کردار کی طرح موجود ہے جو ماضی کی کہانیاں سناتا ہے۔

مصنف اپنی تحریر میں بہت سارے ادبی ذوق رکھنے والے اور دیگر اعلی عہدے داروں کا ذکر کرتے ہیں۔ان تمام شخصیات کے تعارف اور خصوصیات کو بہترین الفاظ میں اپنی تحریر کی زینت بناتے ہیں۔انھیں شخصیات میں سے ایک شخصیت سید حسن کی بھی ہے۔مصنف سید حسن سے بھی کافی حد تک متاثر نظر آتے ہیں مختار مسعود نے حرفِ شوق میں سید حسن کا ذکر بھی نہایت دلچسپ انداز میں کیا ہے۔ سید حسن کی شخصیت بیان کرتے ہوئے مصنف ان کی سیاسی جدوجہد، جلاوطنی اور ہندوستان کی آزادی کی تحریک سے وابستگی کو سامنے لاتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔:

> "سید حسن کے والد نواب سید محمد تھے۔بنگال کے مشہور سیاست دان نواب عبداللطیف ان کے نانا تھے۔اسی طرح بیگم شائستہ اکرام اللہ ان کی بھانجی تھیں۔ سید حسن نے علی گڑھ سے ابتدائی تعلیم کا آغاز کیا۔ایف۔اے کے بعد بنگال واپس چلے گئے "(۱۴)

یہاں بھی فلیش بیک ایک ذاتی ملاقات سے آغاز کرتا ہے اور پھر وسیع سیاسی پس منظر تک پہنچ جاتا ہے۔ ایک فرد کی یاد کے ذریعے پورے سیاسی عہد کی تصویر سامنے آجاتی ہے۔ مصنف سید حسن کے حالات بیان کرتے ہوئے صرف واقعات نہیں گنواتے بلکہ ان کے فکری سفر اور تاریخی اہمیت کو بھی واضح کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سید حسن کا ذکر کتاب میں ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔

مختار مسعود نے قائداعظم محمد علی جناح کا ذکر نہایت عقیدت اور احترام سے کیا ہے۔ قائداعظم کے علی گڑھ دورے، ان کی تقاریر اور طلبہ سے تعلق کو بیان کرتے ہوئے مصنف بار بار ماضی کی طرف مراجعت کرتے ہیں۔ قائداعظم اور اسٹریچی ہال کا تعلق بیان کرتے ہوئے مصنف دو اہم تقریروں کو یاد کرتے ہیں۔ یہ یادیں محض ذاتی تجربہ نہیں بلکہ پاکستان کی سیاسی تاریخ کا حصہ ہیں۔ اس حوالے سے مصنف یوں لکھتے ہیں۔:

> "قائداعظم جب ۱۹۴۴ میں ساتویں بار علی گڑھ لائے تو ہمارے سان گمان میں نہ تھا کہ اس دورے کے بعد یہ آواز اسٹریچی ہال میں سنائی نہ دے گی۔ موسم خوش گوار تھا۔ سردیوں کا زور ٹوٹ چکا تھا۔ بہار کی آمد آمد تھی۔ قائداعظم اس بار علی گڑھ میں کئی دن

ٹھہرے ۔اس سے پہلے نہ کبھی اتنا طویل قیام کیا نہ اتنی تقریبات میں شریک ہوئے۔یونیورسٹی میں ایک بڑے جلسے کے بجائے تین جلسوں سے خطاب کیا۔ان میں سے دو اسٹریچی ہال میں منعقد ہوئے"(۱۵)

یہاں فلیش بیک تکنیک قومی تاریخ کو ذاتی یادداشت کے ساتھ ملا دیتی ہے۔ مصنف کی آنکھ سے دیکھا ہوا منظر قاری کے لیے ایک تاریخی تجربہ بن جاتا ہے۔ قائداعظم کے لباس، شخصیت، اندازِ گفتگو اور طلبہ پر اثر کا بیان اس تکنیک کے ذریعے مزید مؤثر ہو جاتا ہے۔ مختار مسعود قائداعظم کو صرف ایک سیاسی رہنما کے طور پر نہیں بلکہ ایک عہد کی علامت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔

مجموعی طور پر اگر دیکھا جائے تو مختار مسعود کے فلیش بیک کا ایک اہم وصف یہ ہے کہ وہ ذاتی یادداشت اور اجتماعی تاریخ کو یکجا کر دیتے ہیں۔ ان کی یادیں صرف ان کی ذات تک محدود نہیں رہتیں بلکہ ایک پورے عہد کی نمائندگی کرتی ہیں۔ علی گڑھ کی یاد ہو، تحریکِ آزادی کے واقعات ہوں یا قیامِ پاکستان کے بعد کے تجربات، ہر مقام پر ماضی ایک زندہ حقیقت بن کر سامنے آتا ہے۔ یہی خصوصیت ان کی نثر کو محض یادداشت نگاری کے بجائے ایک تہذیبی دستاویز کا درجہ عطا کرتی ہے۔ مختار مسعود کے ہاں فلیش بیک کا استعمال جذباتی کیفیت پیدا کرنے کے لیے بھی کیا گیا ہے۔ جب وہ کسی تاریخی واقعے یا شخصیت کا ذکر کرتے ہیں تو محض معلومات فراہم نہیں کرتے بلکہ اس واقعے سے وابستہ جذبات، احساسات اور انسانی تجربات کو بھی نمایاں کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریر میں تاریخ خشک حقائق کا مجموعہ نہیں رہتی بلکہ ایک محسوس ہونے والی داستان بن جاتی ہے۔

ان کے اسلوب میں فلیش بیک کی ایک اور نمایاں خصوصیت ربط اور تسلسل ہے۔ بعض اوقات فلیش بیک تکنیک کے استعمال سے تحریر میں انتشار پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے، لیکن مختار مسعود اس خطرے سے محفوظ رہتے ہیں۔ وہ حال کے کسی منظر، لفظ یا خیال کو نقطۂ آغاز بناتے ہیں اور پھر اس سے جڑی ہوئی یادوں کی طرف سفر کرتے ہیں۔ اس طرح ماضی اور حال کے درمیان ایک فکری پل قائم ہو جاتا ہے۔"حرف شوق" میں فلیش بیک تکنیک کا مقصد صرف واقعات کو دلچسپ بنانا نہیں بلکہ تاریخ کے ساتھ ایک زندہ تعلق قائم کرنا ہے۔ مصنف کا خیال ہے کہ قوموں کی شناخت ان کے ماضی سے وابستہ ہوتی ہے، اس لیے ماضی کو یاد کرنا دراصل اپنی تہذیبی بنیادوں کو سمجھنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے فلیش بیک میں ماضی محض گزرا ہوا زمانہ نہیں بلکہ حال کی رہنمائی کرنے والی قوت بن جاتا ہے۔ مختار مسعود کی نثر میں فلیش بیک ایک تخلیقی وسیلہ بن کر سامنے آتا ہے جو تاریخ، جذبات اور فکر کو ایک

دوسرے کے قریب لاتا ہے۔ ان کی یادداشت نگاری میں یہ تکنیک قاری کو ایک ایسے سفر پر لے جاتی ہے جہاں وقت کی حدود ختم ہو جاتی ہیں اور ماضی و حال ایک دوسرے میں پیوست نظر آتے ہیں۔ یہی فنی خوبی "حرف شوق" کو اردو نثر کی اہم یادداشتوں میں شامل کرتی ہے۔

فلیش بیک تکنیک کے ذریعے مختار مسعود نے وقت کے روایتی تصور کو وسعت دی ہے۔ عام طور پر تاریخ کو ایک مسلسل زمانی سلسلے کے طور پر دیکھا جاتا ہے، لیکن "آوازِ دوست" میں ماضی، حال اور مستقبل ایک دوسرے سے جڑے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ مصنف کسی تاریخی مقام، شخصیت یا واقعے کا ذکر کرتے ہوئے ماضی کی طرف سفر کرتے ہیں اور پھر اسی ماضی کو حال کے مسائل اور قومی شعور سے مربوط کر دیتے ہیں۔ اس عمل میں فلیش بیک ایک فنی تکنیک سے بڑھ کر فکری زاویۂ نگاہ بن جاتا ہے۔ مختار مسعود کے ہاں ماضی کی بازیافت کا مقصد صرف یادوں کو محفوظ کرنا نہیں بلکہ ان یادوں سے سبق حاصل کرنا بھی ہے۔ وہ تاریخ کے ان پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہیں جن میں قوموں کے عروج و زوال، جدوجہد، قربانی اور تعمیر کے عناصر موجود ہیں۔ "حرف شوق" میں تحریکِ پاکستان کے واقعات کا ذکر ہو یا برصغیر کی تہذیبی روایات کا تذکرہ، ہر جگہ مصنف کا تاریخی شعور نمایاں نظر آتا ہے۔ فلیش بیک کے ذریعے وہ قاری کو اس احساس سے آشنا کرتے ہیں کہ حال کی بنیاد ہمیشہ ماضی کے تجربات پر قائم ہوتی ہے۔

"حرف شوق" کی سب سے اہم خصوصیات میں سے ایک اس کا تہذیبی شعور ہے۔ مختار مسعود نے ماضی کے واقعات کو بیان کرتے ہوئے تہذیب، ثقافت اور اجتماعی یادداشت کو بنیادی اہمیت دی ہے۔ ان کے نزدیک کسی قوم کی اصل شناخت اس کے تاریخی ورثے اور تہذیبی اقدار سے وابستہ ہوتی ہے۔ اسی لیے وہ ماضی کی طرف مراجعت کرتے ہیں تاکہ ان عناصر کو محفوظ کیا جا سکے جو قومی تشخص کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ فلیش بیک تکنیک کے ذریعے مصنف ماضی کے مختلف ادوار کو ایک دوسرے سے مربوط کرتے ہیں۔ وہ کبھی علمی مراکز کی یاد تازہ کرتے ہیں، کبھی تاریخی شخصیات کا ذکر کرتے ہیں اور کبھی ان مقامات کو موضوع بناتے ہیں جو قومی حافظے کا حصہ بن چکے ہیں۔ اس طرح ان کی تحریر میں ایک تہذیبی تسلسل پیدا ہوتا ہے۔ قاری محسوس کرتا ہے کہ ماضی اور حال کے درمیان ایک مضبوط رشتہ قائم ہے اور موجودہ زمانہ اپنی تاریخی جڑوں سے الگ نہیں ہو سکتا۔

مختار مسعود کی فلیش بیک تکنیک کا ایک نمایاں پہلو جذباتی وابستگی ہے۔ ان کے لیے ماضی محض واقعات کا ذخیرہ نہیں بلکہ احساسات، یادوں اور تجربات کی دنیا ہے۔ جب وہ کسی تاریخی واقعے یا مقام کا ذکر کرتے ہیں

تو اس کے ساتھ جذباتی فضا بھی تخلیق کرتے ہیں۔ یہی جذباتی کیفیت قاری کو تحریر کے قریب لے آتی ہے اور وہ محض ایک ناظر نہیں رہتا بلکہ اس تجربے کا شریک محسوس ہونے لگتا ہے۔ ان کی یادداشتوں میں ماضی کی طرف واپسی ایک داخلی سفر کی حیثیت رکھتی ہے۔ مصنف اپنے ذاتی تجربات کو اجتماعی تجربات سے جوڑ دیتے ہیں۔ ان کی ذات کی یادیں ایک پورے عہد کی نمائندگی کرنے لگتی ہیں۔ یہی وصف "حرف شوق" کو عام خودنوشت یا یادداشت سے بلند کر کے ایک ادبی اور تاریخی دستاویز بنا دیتا ہے۔ مختار مسعود کی تصنیف "حرف شوق" میں فلیش بیک تکنیک ایک اہم فنی وسیلہ ہے جس کے ذریعے انہوں نے ماضی کو حال سے مربوط کیا ہے۔ اس تکنیک نے ان کی تحریر کو زمانی وسعت، فکری گہرائی اور جذباتی تاثیر عطا کی ہے۔ وہ ماضی کی طرف واپسی کے ذریعے نہ صرف تاریخی واقعات کو زندہ کرتے ہیں بلکہ قومی شعور، تہذیبی شناخت اور انسانی تجربات کو بھی اجاگر کرتے ہیں۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مختار مسعود کے ہاں فلیش بیک ماضی کی محض یاد نہیں بلکہ ایک تخلیقی عمل ہے۔ وہ ماضی کو دوبارہ دریافت کرتے ہیں اور اسے موجودہ نسل کے لیے معنی خیز بنا دیتے ہیں۔ "حرف شوق" میں فلیش بیک تکنیک کی یہی خوبی اسے اردو نثر میں ایک منفرد مقام عطا کرتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ مختار مسعود، حرف شوق، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص ۲۴

۲۔ ایضاً، ص ۱۷۹

۳۔ ایضاً، ص ۱۸۳

۴۔ ایضاً، ص ۹۳

۵۔ ایضاً، ص ۹۴

۶۔ ایضاً، ص ۱۳

۷۔ ایضاً، ص ۱۴

۸۔ ایضاً، ص ۱۰۰

۹۔ ایضاً، ص ۲۷۵

۱۰۔ ایضاً، ص ۲۷۵

۱۱۔ ایضاً، ص ۳۸۸

۱۲۔ ایضاً، ص۴۱۹

۱۳۔ ایضاً، ص۳۳

۱۴۔ ایضاً، ص۱۰۹

۱۵۔ ایضاً، ص۱۰۹